Vol. 6 No.1 2022

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

عہد فاروقی میں عیسائیوں کے ساتھ سماجی تعلقات اور ان کی عصری تطبیق

SOCIAL RELATIONS AND CONTEMPORARY COMPATABILITY WITH THE CHRISTIANS IN AHD E FAROOQI

1. Dr Irshadullah, 2. Dr. Salahudin, 3. Dr. Bashir Ahmad Malik

*Theology Teacher Govt: Middle School No.1 Bandkurai D. I. Khan.
**Assistant Professor, Lasbela University of Agriculture ,Water and Marine Sciences, Uthal
***Lecturer Islamic Studies University of Azad jamu and Kashmir

ABSTRACT

The aquisition of peace and order justice and equality and decent behavior,good will and fundamental neends are indidiscriminately the rights of people irrespective of race and colour. After the Golden regime of the Holy Prophet(S.A.W) The time of Hazrat e Umar (R.A) is so brilliant that is like the a luminous Pillar.In your age, better relations were established with all the religions of the world specially with Christians without assignation. Principles were extracted from these relations ragarding affinity and coordinations with contemporay Non Muslims. Christianity has got a particular status in the religions of the world and at present seems to be the most conosolidated religion politically and economically. This is demographically the greatest religion of the world. It was of great importance in AHD E FAROOQI. The best standard to descern or judge someone's parity is that how the other religions are being treated in his rigime. In this contxt, if we go through the AHD E GFAROOQI, it has got no equals. The steps to that were taken to bond relations with the Christians in AHDE FAROOQIare so great the example of the same is not only difficult to find but impossible.In this article social relations with Christians have been described in the progressive background.

Keywords: *Social relations, Ahd-e-Farooqi, Christians. Behavior, Contemporary.*

امن وسلامتی، عدل وانصاف، حسن سلوک، خیر خواہی اور بنیادی ضروریات کا حصول بلا امتیاز مذہب، رنگ ونسل کے عوام کا حق ہے اور ان کی فراہمی حکمرانوں کا فرض ہے۔ عصر حاضر میں ہر طرف امتیازی سلوک کا رواج زوروں پر ہے۔ اپنوں کو نوازنا اور غیروں کو محروم رکھنا گویا آج کل فیشن بن گیا ہے۔ آج کے حکمران ذاتی مفادات کو قومی وملی مفادات پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ قانون وآئین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہر وقت کوشاں اور سرگرداں رہتے ہیں۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دنیا کی تاریخ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کا زمانہ ایک ایسا عہد زریں ہے جو کہ رہتی دنیا تک کے تمام حکمرانوں کے لئے ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں بلا تخصیص وبلاامتیاز تمام مذاہب، خصوصاً عیسائیوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سماجی تعلقات استوار رہے۔ ان تعلقات سے عصر حاضر میں غیر مسلم دنیا سے تعلقات وروابط کے حوالے سے اصول اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

آپ کا نام عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق تھا۔ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قُرط بن رزاح بن عدی بن کعب القرشی العدوی ابو حفص، اُمہ حَنتَمۃ بنت ھاشم بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔[1]

عمر فاروق رضی اللہ عنہ، خطاب کے فرزند اور نفیل کے پوتے تھے۔ آٹھویں پشت میں سلسلہ نسب نبی کریم ﷺ سے جاملتا ہے۔ خاندانِ عمر زمانہ جاہلیت سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور سفارت ومقدمات اسی خاندان کے سپرد تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ہاشم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

بن مغیرہ کی دختر تھیں۔ حافظ بن عبد البر ولادت عمر کے بارے میں لکھتے ہیں :وُلد عمر بعد الفیل بثلاث عشرۃ سنۃ۔[2] یعنی آپ کی ولادت واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ 13ھ کو خلیفہ چنے گئے۔ نہایت جری، شجاع اور بہادر تھے۔ بارہ ہزار مسجدیں بنوائیں۔ سن ہجری کی ابتداء آپ کے دور خلافت میں ہوئی۔ آپؓ سے 537 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ 23ھ / 644ء کو رحلت کر گئے۔ آپ کی نماز جنازہ صہیب بن سنانؓ رومی نے پڑھائی۔[3]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں شجاع، دلیر اور حق گو تھے۔ جوان ہوئے تو لکھنا پڑھنا سیکھا۔ سپہ گری، شہسواری اور دوسرے جنگی کمالات میں نام پیدا کیا۔ اسی طرح خطابت میں بھی مہارت حاصل کی۔ ذریعہ معاش تجارت تھا جس کے لیے دور دراز ممالک کے سفر بھی کرتے۔ معاملہ فہمی میں معروف تھے۔

عہدِ فاروقی میں بھی اہلِ اسلام نے مثالی فتوحات حاصل کیں وہ ملک اور علاقے فتح کیے جہاں کشت وخون اور ظلم و ستم عروج پر تھے جب وہ علاقے مسلمانوں کے زیر سایہ آئے تو وہاں کے لوگ مسلمانوں کے سلوک و اخلاق سے بہت متاثر ہوئے۔ عہدِ فاروقی کی وسعتِ فتوحات کے بارے میں اہل فکر و دانش کی رائے ہے کہ تاریخ عالم میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ اتنے مختصر سے عرصے میں کسی فاتح نے اتنے وسیع علاقے کو فتح کیا ہو اور عدل و انصاف پر مبنی ایسی حکومت و خلافت کی ہو جس میں ایک واقعہ بھی منافی عدل نہیں ملتا۔

مذاہب عالم میں عیسائیت کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور موجودہ دور میں سیاسی اور معاشی طور پر سب سے زیادہ محکم مذہب نظر آتا ہے۔ یہ مذہب بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ عہد فاروقی میں بھی اس مذہب کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ ایک وجہ یہ کہ اس وقت کی سب سے بڑی سلطنت روم کا بھی یہی مذہب تھا اس کی حدود دریائے دجلہ سے لے کر اسپین اور اٹلی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ مصر بھی اس کا ایک اہم حصہ تھا۔ حبشہ اور یمن بھی اسی سلطنت کی باجگزاری ریاستیں تھیں۔ اس تمام علاقے کا اکثریتی مذہب عیسائیت تھا۔ اس مذہب کو ہر دور میں سیاسی پشت پناہی حاصل رہی جہاں کہیں بھی سلطنت روم کو فتح حاصل ہوتی تو وہ زبردستی لوگوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ یروشلم کی فتح پر یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا لیکن جب اس مذہب کا مقابلہ اسلام سے ہوا تو ایک طرف مسلمانوں نے زور بازو سے عیسائیوں کو شکست دی تو دوسری طرف اسلامی تعلیمات نے لوگوں کے دل جیت لئے۔ بہت سے عیسائی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس کے علاوہ باقی عیسائیوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کو مذہبی آزادی دی جس کی وجہ سے اکثریت اپنے مذہب پر قائم رہی اور جزیہ دیتی رہی۔

عہد فاروقی میں اس عیسائیت اپنی اصلی تعلیمات سے ہٹ چکی تھی۔ مقدس انجیل کو بنی اسرائیل کے علماء نے اپنی تحریفات سے مسخ کر دیا تھا۔ لوگ فرقوں میں بٹ چکے تھے اور منافرت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ ایک دوسرے کو کافر اور ملحد کہا جاتا تھا۔ وحی الٰہی کا نور تاباں دھندلا ہو چکا تھا۔ ان میں توحید تک باقی نہ رہی اور عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے۔ تثلیث کا عقیدہ ان میں رائج تھا یعنی وہ تین خداؤں باپ، بیٹا اور روح القدس پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ کفارہ کا عقیدہ ان میں رائج تھا یعنی یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے۔ روحانیت کی تعلیم ناپائید تھی۔ صرف چند راہب گرجوں میں بیٹھ کر مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا تھے۔ حصول دولت اور ہوس ان کی زندگی کا بنیادی مقصد بن چکا تھا۔

عیسائیت چونکہ رومی سلطنت کا سرکاری مذہب تھا اس لیے ان کی سماجی حالت قدرے بہتر تھی۔ رہنے کے لیے مکان میسر تھے، پہننے کے لئے کپڑے اور کھانے کے لیے روٹی بھی میسر تھی لیکن ان کا سماج طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ حکمران لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے جب کہ غریب لوگ ٹیکس کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ وہ مذہبی لحاظ سے بھی فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ حکمران جس فرقہ سے تعلق رکھتا تھا دوسرے فرقوں پر ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ البتہ ان کو شہری اور دیہاتی زندگی دونوں میسر تھیں۔ بڑے بڑے شہروں میں بھی عیسائیوں کی آبادی تھی اور دیہات میں بھی عیسائی لوگ رہتے تھے۔ رومی سماج میں مذہبی پیشواؤں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس اعتبار سے حکمرانوں اور کلیسا کی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اندرونی سرد جنگ جاری رہتی تھی۔ بہر حال عیسائیوں کی رومی سلطنت ایک نظام کے تحت چل رہی تھی۔ ملک صوبوں اور ضلع میں تقسیم تھا۔ جمہوریت کو قدر اہمیت حاصل تھی۔ مالیاتی ادارے بھی قائم تھے اور عدالتی نظام بھی موجود تھا۔

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

عہد فاروقی میں عیسائیوں کے ساتھ سماجی تعلقات:

کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہوتا ہے کے اس عہد میں دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس تناظر میں اگر عہد فاروقی کو دیکھا اور جانچا جائے تو اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ عیسائیوں کے ساتھ سماجی تعلقات کے حوالے سے جو اقدامات حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں کیے گئے ان کی نظیر ملنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ تقریباً نا ممکن بھی ہے۔ عہد فاروقی میں قریب کی دو بڑی سلطنتیں روم[4] اور فارس[5] میں خود حکومتی مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے عام لوگوں کے ساتھ تعلقات بہتر نہ تھے چہ جائیکہ دیگر مذاہب والوں سے سماجی روابط استوار کیے جاتے یا ان کا خیال رکھا جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے لوگوں کا حال چال معلوم کرنے کے لیے نکلے اور دور نکل گئے۔ دوپہر کا وقت تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی اور ایک درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ اتنے میں وہاں سے ایک غیر مسلم کا گزر ہوا تو ب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سو رہے ہیں وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: أحسنت يا عمر عدلت فنمت، اے عمر خوب! آپ نے انصاف کیا اور بے فکر ہو کر سو گئے۔

یعنی اگر آپ رضی اللہ عنہ نے کسی کے ساتھ کوئی ظلم کیا ہوتا تو آپ کبھی اس طرح بے خوف و خطر ہو کر یہاں اکیلے نہ سو سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی آواز سنی تو جاگ پڑے۔ اس (غیر مسلم) نے آپ رضی اللہ عنہ کے پیروں کو بوسہ دیا اور وہیں اسلام لے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس منظر کو دیکھ کر رو پڑے اور کہا: يا رب هلك عمر إن لم ترحمه۔[6] اے میرے رب! اگر آپ عمر پر رحم نہ فرمائیں تو عمر ہلاک ہی ہو جائے۔

جبیر بن نفیر فرماتے ہیں ہیں: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أُتِيَ بِمَالٍ كَثِيرٍ - قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: أَحْسِبُهُ، قَالَ : مِنَ الْجِزْيَةِ - فَقَالَ: إِنِّي لَأَظُنُّكُمْ قَدْ أَهْلَكْتُمُ النَّاسَ، قَالُوا: لاَ وَاللَّهِ مَا أَخَذْنَا إِلاَّ عَفْوًا صَفْوًا قَالَت: بِلاَ سَوْطٍ وَلاَ نَوْطٍ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَجْعَلْ ذَلِكَ عَلَى يَدَيَّ وَلاَ فِي سُلْطَانِي.[7]

حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس کثیر مال آیا تو انھوں نے کہا "میں سمجھتا ہوں (کہ اتنا کثیر مال حاصل کرنے میں) تم نے لوگوں پر بے جا دباؤ ڈال کر انہیں تباہ کر دیا ہو گا" اس پر وہ (مال لانے والے) بولے: "نہیں، اللہ کی قسم ہم نے ان کی سہولت اور خوش دلی کے ساتھ یہ کچھ ان سے وصول کیا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا "بغیر کوڑے مارے اور بغیر لٹکائے؟ انہوں نے کہا "جی ہاں"۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "الحمد اللہ" جس نے مجھے اور میرے دور حکومت کو رعایا پر مظالم و تشدد سے محفوظ رکھا"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب بہت سے ممالک کو زیر نگین کیا تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ بلا امتیاز مذہب، رنگ، نسل اور زبان کے بہترین سلوک روا رکھا اور بہتر سے بہتر سماجی تعلقات استوار فرمائے۔ ان کے ساتھ معاہدات کیے گئے، ہر حوالے سے حسن سلوک کا برتاؤ کیا گیا، مذہبی آزادی دی گئی اور ان کے حقوق و فرائض کا بھی بھرپور خیال رکھا گیا۔ عہد فاروقی کو عیسائیت کے ساتھ بہترین سماجی تعلقات اور حسن سلوک کے اعتبار سے سنہری دور کہا جاتا ہے کیونکہ عہد فاروقی میں عیسائیوں کو نہ صرف اسلام کے عطا کردہ حقوق حاصل تھے بلکہ بعض اوقات حقوق سے بھی بڑھ کر شریعت کی حدود کے اندر مزید سہولیات دی جاتی رہیں۔ جزیہ کی مقدار مقرر کرنے میں بھی عیسائیوں پر زیادتی کرنا ممنوع تھا۔ جزیہ کی وصولی میں بھی نرمی کا پہلو اختیار کیا جاتا تھا اور جزیہ کے عوض ان کی املاک کا نیلام نہیں کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر کو لکھا: أَلَّا يَضْرِبُوا الْجِزْيَةَ عَلَى النِّسَاءِ وَلَا عَلَى الصِّبْيَانِ, وَأَنْ يَضْرِبُوا الْجِزْيَةَ عَلَى مِنْ جَرَتْ عَلَيْهِ الْمُوسَى مِنَ الرِّجَالِ۔[8] عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائد نہ کریں اور صرف ان مردوں پر جزیہ عائد کریں، جن کے بال اگ آئے ہوں یعنی بالغ ہو گئے ہوں۔

امام ابو یوسف نے حضرت ہشام بن عروہ[9] سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام سے واپس آرہے تھے تو راستے میں ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ماجرا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ان کے ذمے جزیہ ہے جو انہوں نے ابھی تک ادا نہیں کیا ہے۔ اس کی ادائیگی کیلئے انہیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور جزیہ ادا نہ کرنے کا کیا عذر پیش کرتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ کہتے ہیں ہمارے پاس کچھ نہیں یعنی ہمارے پاس ادائیگی کے لیے رقم موجود نہیں ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَدَعُوْهُمْ، لَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا لَا يَطِيْقُوْنَ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ، فَإِنَّ الَّذِيْنَ يُعَذِّبُوْنَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يُعَذِّبُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[10]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

”ان کو چھوڑ دو، ان کو ہر گز تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب نہ دو، بے شک جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر اہل خراج کسی وقت کسی مجبوری سے لگان یا جزیہ نہ دے سکیں تو ان کو اس وقت تک مہلت دی جائے کہ وہ آسانی سے ادا کر سکیں۔

فقہائے اسلام نے نادہندگان جزیہ وخراج کے حق میں صرف اتنی اجازت دی ہے کہ انہیں تادیباً قید بے مشقت کی سزا دی جاسکتی ہے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھاہے:وَلَكِنْ يُرْفَقُ بِهِمْ،وَيُحْبَسُونَ حَتَّى يُؤَدُّوا مَا عَلَيْهِمْ[11] ”اور ان سے نرمی سے پیش آیا جائے گا اور ادائیگی جزیہ تک انہیں قید کیا جائے گا۔“

جو عیسائی محتاج اور فقیر ہو جائیں انہیں صرف جزیہ ہی معاف نہیں کیا جائیگا بلکہ ان کے لیے اسلامی خزانہ سے وظائف بھی مقرر کیے جائیں گے۔عہد فاروقی میں عیسائیوں کے ساتھ مختلف حوالے سے سماجی تعلقات وروابط قائم تھے۔

1۔ خیر خواہی وحسن سلوک کا تعلق:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دیگر اہل مذاہب کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ غیر مسلم خود اس کا اعتراف کرتے تھے۔ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دیگر اہل مذاہب کا وفد آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم کو ستاتے ہوں گے؟تو سب نے یک زبان ہو کر کہا:ما نعلم إلا وفاء وحسن ملكة۔[12] ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

عہد فاروقی میں وصولی جزیہ وخراج میں بھی بہت نرمی برتی جاتی تھی اور جو لوگ نادار اور اپاہج ہو جاتے ان کا جزیہ نہ صرف بالکل معاف ہو جاتا بلکہ ان کو بیت المال سے وظیفہ بھی دیا جاتا۔ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو چند جذامی عیسائی نظر آئے تو بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر فرمادیا۔[13]

آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کا اتنا احساس اور خیال تھا کہ شام کے قبطی جو روغن زیتون اور گیہوں کی تجارت کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے عشر کو نصف کر دیا تا کہ مدینہ میں کثرت سے غلہ آئے۔[14]

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جزیہ کی ایک بڑی رقم آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصول کرنے والوں سے پوچھا کہ اس قدر زیادہ مال لائے ہو۔کہیں ایسا تو نہیں کہ لوگوں کو تکلیف پہنچا کر وصول کیا ہو؟جواب دیا کہ ہم نے ذرہ برابر بھی تکلیف نہیں دی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر صراحت کے ساتھ پوچھا"بِلاَ سَوْطَ وَلاَ نَوْطَ ؟ قَالُوا:نَعَمْ "یعنی تم نے کوڑے کی سزا یا لٹکانے باندھنے کی سزا تو نہیں دی؟اعمال نے جواب دیا اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔[15]

اس طرح بحرین سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پانچ لاکھ کی رقم لے کر آئے تو پوچھا کہ یہ رقم رعایا کو پریشانی اور تنگی میں ڈال کر تو نہیں وصول کی گئی ہے؟ انہوں نے کہا ہر شخص نے بطیب خاطر دی ہے۔[16]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عامل سعید بن عامر رضی اللہ عنہ والی شام ایک مرتبہ حاضر ہوئے تو ان سے باز پرس کی کہ تم مال گزاری کی رقم بھیجنے میں دیر کیوں کرتے ہو؟انہوں نے جواب دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ وصولی لگان میں نرمی سے کام لیا جائے۔اس لیے خراج کی وصولی کے لیے ان کو غلہ کی پیدا ہو جانے تک مہلت دیا کرتا ہوں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس رعایت کو اس قدر پسند فرمایا کہ ان سے کہہ دیا"لاَ عَزَلْتُكَ مَا حَيِيتُ"۔[17] میں تم کو اپنی زندگی بھر اس عہدہ سے برطرف نہیں کروں گا۔

اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر سماجی تعلق، آپ رضی اللہ عنہ کو کتنا پسند تھا۔

عہد فاروقی میں ایک عامل نے ایک نصرانی تاجر سے دریائے فرات عبور کرنے پر ٹیکس وصول کیا اور جب وہ دوبارہ واپس لوٹے تو پھر ٹیکس کا مطالبہ کیا جس پر وہ نصرانی تاجر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی شکایت پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل سے فرمایا کہ مال تجارت میں سال میں صرف ایک مرتبہ ٹیکس ہے۔یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک غیر مسلم کے ساتھ بھی حسن سلوک اور احسان مندی کی انتہا فرمادی۔[18]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

ہشام بن حکیم نے حمص کے ایک سرکاری افسر عیاض بن غنمؓ[19] کو دیکھا کہ اُس نے ایک غیر مسلم قبطی (عیسائی) کو ٹیکس وصول کرنے کے لیے دھوپ میں کھڑا کر رکھا ہے. اس پر انہوں نے اسے ملامت کی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:إِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا۔[20]

"بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔"

دور فاروقی میں دیگر اہل مذاہب کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ اگر حکومت کو زمین کی ضرورت پڑتی تو مالک کو معاوضہ دے دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کو پالنے کیلئے ایک رمنہ بنانا چاہا۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو بصرہ کے گورنر تھے۔ لکھا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کی نہ ہو اور اس میں ذمیوں کی نہروں اور کنووں کا پانی نہ آتا ہو تو سائل کو زمین دے دی جائے۔[21]

عہد فاروقی میں جب عراق فتح ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے تھی کہ ان کی اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں زمینداروں اور کاشتکاروں کی تحویل میں رہنے دیا جائے۔ کئی دن بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک بڑے اجتماع میں انصار کی طرف سے دس آدمی اپنے قبیلے کی طرف سے حاضر ہوئے اور بڑے بڑے مہاجر صحابہ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان، حضرت طلحہ[22] اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے افراد حاضر ہوئے۔ بحث و مباحثہ میں مختلف آراء سامنے آتی رہیں مگر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی ایک آیت[23] سے استدلال کیا تو ان کو مجبور ہونا پڑا اور تمام صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے۔[24]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے شام کے سفر میں ایک نصرانی عورت کے گھر سے گرم پانی لے کر وضو کیا۔ وتوضأ عمر بالحميم ومن بيت نصرانية ۔[25]

حافظ ابن حجرؒ[26] فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کے پانی کو اس تفصیل میں گئے بغیر کہ وہ کس قسم کا پانی ہے، استعمال کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعیؒ[27] فرماتے ہیں کہ مشرک کے پانی سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ اگر اپنی عبادت کے لیے وضو کرنا ہو تو اس کے بچے ہوئے پانی سے بھی وضو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر متعین طور پر یہ معلوم ہو کہ پانی نجس ہے تو وضو صحیح نہیں ہو گا۔[28]

دیگر اہل مذاہب کی تیار کردہ حلال مطعومات کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ احادیث و آثار سے اس کا جواز ثابت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَةٍ فِي تَبُوكَ فَدَعَا بِسِكِّينٍ فَسَمَّى وَقَطَعَ۔قال الشيخ الألباني:حسن الإسناد[29]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پنیر کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھری طلب فرمائی، اللہ کا نام لے کر اسے قطع کیا اور تناول فرمایا۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (پنیر حجاز میں تیار نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ شام یعنی عیسائیوں کے علاقہ سے آتی تھی)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عہد فاروقی میں عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا بہت بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس بات کی اصل دستاویز آج بھی محفوظ ہے کہ ایک عیسائی اپنے بعض ہم مذہبوں کو جو دوسرے شہر کے تھے، یہ خوش خبری پہنچاتا ہے کہ آجکل ایک نئی قوم ہماری حاکم بن گئی ہے جو ہم پر ظلم نہیں کرتی بلکہ ہمارے گرجاؤں اور ہمارے خانقاہوں کی مدد کرتی ہے۔[30]

وسق رومی کہتے ہیں:كُنْتُ مَمْلُوكًا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ يَقُولُ لِي:أَسْلِمْ فَإِنَّكَ إِنْ أَسْلَمْتَ اسْتَعَنْتُ بِكَ عَلَى أَمَانَةِ الْمُسْلِمِينَ،فَإِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي لِي أَنْ أَسْتَعِينَ عَلَى أَمَانَتِهِمْ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ،قَالَ:فَأَبَيْتُ،فَقَالَ:{لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ} قَالَ:فَلَمَّاحَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ أَعْتَقَنِي،وَقَالَ:اذْهَبْ حَيْثُ شِئْتَ۔[31]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ اگر تم اسلام قبول کر لو گے۔ تو میں تجھے مسلمانوں کی امانت کا کوئی کام سونپ دونگا۔ کیونکہ میرے لیے یہ روا نہیں کہ میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کی امانت کے کام پر متعین کروں۔ مگر میں نے (وسق رومی) نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس پر وہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کہا کرتے " لااکراہ فی الدین" (دین اختیار کرنے میں کوئی اکراہ یعنی زبردستی نہیں ہے) پھر جب ان کی وفات کا وقت آن پہنچا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے رومی عیسائی غلام کے ساتھ کمال حسن سلوک سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک تو اس کے اسلام نہ لانے پر کوئی ماتھے پر بل نہیں اور مزید یہ کہ اسے آزاد بھی فرما دیا جبکہ مشرکین مکہ میں ابوجہل[32] امیہ بن خلف[33] اور باقی سرداران قریش تو غلاموں کو زبردستی دین تبدیل کرنے پر سزائیں دیتے چلے آرہے تھے۔

دین اسلام کا یہ خاصہ ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملات سے پیش آنے کا درس دیتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھی نصرانی عورت کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا " لا اکراہ فی الدین" یعنی دین میں جبر نہیں ہے۔[34]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عیسائیوں کے ساتھ تعلقات اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام میں آئے تو اذرعات[35] کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے پھول برساتے ہوئے، باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کے لیے نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابوعبیدہ[36] رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ان کا دستور ہے۔ اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔[37]

غیر قومیں تو بالکل بیگانہ ہوتی ہیں، سازش اور بغاوت کی حالت میں مہذب سے مہذب سلطنت خود اپنی قوم سے کوئی رعایت نہیں کرتی لیکن عہد فاروقی میں دیگر اہل مذاہب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جاتا رہا۔ شام کی انتہائی سرحد پر ایک شہر عربسوس تھا جہاں کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا لیکن یہ لوگ درپردہ رومیوں سے تعلقات رکھتے اور مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچایا کرتے تھے۔ یہ حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ ان کے ساتھ سخت سے سخت تر سلوک کیا جاتا لیکن جب وہاں کے والی عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ[38] نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ان کے تمام مال ومتاع کا شمار کر کے ہر چیز کا دوگنا معاوضہ دے دیا جائے اور اس کے بعد ان کو جلاوطن کیا جائے۔[39]

2۔ عدل وانصاف:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرح عہد فاروقی میں بھی عیسائیوں کے لوگوں کے ساتھ ہر طرح سے انصاف کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان کا حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کا واقعہ مشہور ہے۔

عَنْ إِبْرَاهِيمَ،أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْحِيرَةِ فَكَتَبَ فِيهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنْ يُدْفَعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ، فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا. فَدُفِعَ الرَّجُلُ إِلَى وَلِيِّ الْمَقْتُولِ،إِلَى رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ:حُنَيْنٌ مِنْ أَهْلِ الْحِيرَةِ فَقَتَلَهُ۔[40]

حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک (عیسائی) کو قتل کر دیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ تحریر کر کے بھیجا کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو معاف کر دیں۔ چنانچہ قاتل کو مقتول کے وارث کے سپرد کیا گیا جس کا نام حنین تھا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

3۔ معاہدات:

اسلام نے معاہدات کو دیانتداری کے ساتھ نبھانے کی تعلیم دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تربیت یافتہ حضرات خلفائے راشدین نے بڑے احسن انداز میں معاہدات کی پاسداری کا خیال رکھا اور بلا تفریق مذہب، رنگ اور نسل کے تمام لوگوں اور مذاہب سے کئے گئے معاہدات کی پاسداری فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں منجملہ اور احکام کے ایک یہ بھی تھا: وَامْنَعِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ ظُلْمِهِمْ وَالإِضْرَارِ بِهِمْ وَأَكْلِ أَمْوَالِهِمْ إِلا بِحِلِّهَا۔[41] " مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے اور انہیں تکلیف پہنچانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کر دیجیے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مشہور عیسائی قبیلہ بنو تغلب[42] نے قبول اسلام سے انکار کیا اور جزیہ کو بھی اپنی عربی نخوت کی وجہ سے پسند نہ کیا اور ملک چھوڑ کر باہر جانے پر آمادہ ہو گئے تو عبادہ بن نعمان تغلبی بیچ میں پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ یہ جنگجو لوگ اگر دشمنوں کے ساتھ مل گئے تو دشمنوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر جزیہ کے بجائے صدقہ عائد کر دیا اور معاہدہ طے پایا جو کم وبیش اڑھائی تین سو سال تک قائم رہا۔[43]

حرف و سخن HARF-O-SUKHAN Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت اپنے بعد خلیفہ کو باقاعدہ وصیت کی تھی کہ اہل الذمہ کے ساتھ نرمی برتی جائے اور ان کے ساتھ کیے گئے معاہدات کو ہر قیمت پر پورا کیا جائے:أُوْصِى الْخَلِيْفَةَ مِنْ بَعْدِيْ بِذِمَّةِ االلهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهِ صلي الله عليه وآله وسلم : أَنْ يُوْفَي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ، وَأَنْ لَا يُكَلِّفُوْا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ.[44]

"میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ میں آنے والے غیر مسلم شہریوں کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا جائے، ان کی حفاظت کے لیے بوقتِ ضرورت لڑا بھی جائے اور اُن پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔"

الف) بیت المقدس کا معاہدہ:

تعلقات کے حوالے سے معاہدات بھی بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کا معاہدہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ آپ نے نہ صرف دیگر اہل مذاہب سے مسلمانوں کی رواداری و تعلقات کا خوش گوار آغاز کیا بلکہ آگے چل کر غیر مسلموں کے قلوب واذہان کو اسلام کی جانب مائل کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے جب صلح کی شرائط میں اس خاص شرط کا اضافہ کیا کہ عہد نامہ خود خلیفہ وقت آکر لکھے اگرچہ شہر کو بزور قوت فتح کرنا اتنا مشکل نہ تھا، لیکن حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی کشت وخون نہیں چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں بتلایا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے یہاں آنے سے بیت المقدس بلاجنگ قبضے میں آسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورے کے بعد سفر کا قصد کیا اور آپ رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے قریب ایک مقام "جابیہ[45]" پر مقیم ہوئے، یہیں روسائے بیت المقدس آپ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو حاضر ہوئے اور آپؓ نے ان کو امان لکھ کر عطا فرمایا۔ معاہدہ کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما أعطى عبد الله عمر أمير المؤمنين أهل إيلياء من الأمان، أعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم،ولكنائسهم وصلبانهم،وسقيمها وبريئها وسائر ملتها،أنه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم،ولا ينتقص منها ولا من حيزها،ولا من صليبهم،ولا من شيء من أموالهم،ولا يكرهون على دينهم،ولا يضار أحد منهم،ولا يسكن بإيلياء معهم أحد من اليهود،وعلى أهل إيلياء أن يعطوا الجزية كما يعطي أهل المدائن،وعليهم أن يخرجوا منها الروم واللصوت، فمن خرج منهم فإنه آمن على نفسه وماله حتى يبلغوا مأمنهم، ومن أقام منهم فهو آمن،وعليه مثل ما على أهل إيلياء من الجزية، ومن أحب من أهل إيلياء أن يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلي بِيَعهم وصلبهم فإنهم آمنون على أنفسهم وعلى بيعهم وصلبهم،حتى يبلغوا مأمنهم، ومن كان بها من أهل الأرض قبل مقتل فلان،فمن شاء منهم قعدوا عليه مثل ما على أهل إيلياء من الجزية،ومن شاء سار مع الروم،ومن شاء رجع إلى أهله فإنه لا يؤخذ منهم شيء حتى يحصد حصادهم، وعلى ما في هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله وذمة الخلفاء وذمة المؤمنين إذا أعطوا الذي عليهم من الجزية.[46]

"یہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیاء[47] کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان تمام اہل مذاہب کے لئے ہے۔ ان کے گرجوں میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ مذہب کے معاملہ میں جبر کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ کوئی یہودی نہ رہے گا۔ ایلیاء والوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے شہر والوں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے ہاں سے نکال دیں۔ یونانیوں میں جو شہر سے نکلے گا اس کی جان، مال محفوظ رہے گی۔ جب تک وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو ایلیاء میں رہنا چاہیے اس کو بھی امان ہے۔ اس کو جزیہ دینا ہو گا اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان ومال لے کر یونانیوں کے ساتھ جانا چاہئے تو ان کے گرجے اور صلیب بھی مامون ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ جو کچھ اس میں تحریر ہے اس پر خدا اور اس کے رسول، خلفاء اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر جزیہ ادا کرتے رہیں۔

صلح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں ایک پادری صفرنیوس اور شہر کے معززین نے آپ رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا۔ اگلے دن صفرنیوس آپ رضی اللہ عنہ کو شہر کے آثار اور زیارت گاہیں دکھانے کیلئے لے گیا اور ان عبادت کدوں کے مشہور قصے آپ رضی اللہ عنہ کو سنائے۔

نماز ظہر کے وقت وہ واقعہ پیش آیا کہ جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کردار اور مذہبی رواداری پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دیگر اہل مذاہب کے لوگوں کا کس حد تک احترام کرتے تھے اور انکے حقوق کی ادائیگی میں کس قدر محتاط تھے۔

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صفرنیوس "کلیسائے قیامت" میں تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ پادری نے عرض کی کہ آپ رضی اللہ عنہ یہاں نماز پڑھ لیں یہ بھی ایک سجدہ گاہ خداوندی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت فرمائی کہ اگر آج انہوں نے یہاں نماز ادا کی تو مسلمان اس عمل کو سنت یا مستحب قرار دیکر ہمیشہ اس کی تقلید کریں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو مسلمان عیسائیوں کو ان کے گرجاؤں سے نکال دیں گے اور امان کی خلاف ورزی کریں گے"۔[48]

"کلیسائے قیامت" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نماز پڑھنے سے معذرت کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جو مذاہب کی تاریخ اور دنیا کے مختلف المذاہب انسانوں کے باہمی تعلقات پر بڑا اہم اثر ڈالتا ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں اسلامی رواداری اور "دین میں کوئی جبر نہیں" کے اصول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تمسک صدق جھلکتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عہد خلافت راشدہ میں غیر مسلم اقلیتوں کو کس قدر مذہبی آزادی حاصل تھی۔

ب) اہل دمشق سے معاہدہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ابھی معزول نہیں کیا گیا تھا، آپ نے اہل دمشق کو ان کی صلح کی درخواست پر امان نامہ عطا کیا اور ان کے ساتھ معاہدہ ان الفاظ میں ہوا۔ بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرحیم: هَذَا ما أعطى خَالِد بْن الوليد أهل دمشق إذا دخلها أعطاهم أمانا عَلَى أنفسهم وأموالهم وكنائسهم وسور مدينتهم لا يهدم ولا يسكن شيء من دورهم، لهم بذلك عهد اللَّه وذمة رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والخلفاء والْمُؤْمِنِين۔[49]

"اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے۔ یہ امان نامہ خالد بن ولیدؓ کی طرف سے اہل دمشق کیلئے ہے۔ جب وہ ان کی جانوں، اموال اور کنیسوں کو فتح کیا کہ ان کو منہدم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے گھروں میں سکونت اختیار کی جائے گی۔ یہ اللہ کا عہد اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم، خلفاء اور مؤمنین کا ذمہ ہے"۔

ج) اہل قومس[50] سے معاہدہ:

اہل قومس کو حضرت سوید بن مقرن نے جو امان نامہ عطا کیا تھا اسکے الفاظ یہ تھے۔

ولا یھدم بیت نار۔[51]

"ان کا کوئی آتش کدہ منہدم نہیں کیا جائے گا"

د) اہل آذربائیجان[52] سے معاہدہ:

عہد فاروقی میں آذربائیجان کے عامل حضرت عتبہ بن غرقد نے اہل آذربائیجان کو یہ معاہدہ لکھ کر دیا۔

أن لا يقتل منهم أحدا ولا يسبيه ولا يهدم بيت نار۔[53]

"نہ ان میں سے کسی کو قتل کیا جائے گا، نہ کسی کو ملامت کیا جائے گا اور نہ کوئی آتش کدہ منہدم کیا جائے گا"۔

س) امان نامہ برائے اہل لد[54]:

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے قریبی شہر "لد" ایلیاء کے باشندگان کو درج ذیل الفاظ میں امان نامہ عطا فرمایا کہ یہ مراعات ہیں اللہ کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے باشندگان لد اور انکے فلسطینی حلیفوں کے لئے۔

(۱) ان کے اموال، جانیں، عبادت گاہیں، صلیب، مریض اور توانا اور تمام ملت کو امان دی جاتی ہے۔

(۲) ہم ان کے گرجے مسمار نہیں کریں گے، نہ ان میں سکونت اختیار کریں گے اور نہ ان لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے گی۔[55]

ش) امان نامہ برائے اہل طفلیس:

حضرت حبیب بن مسلمہ نے اہل طفلیس کو درج ذیل الفاظ پر مشتمل امان نامہ لکھ کر دیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

هَذَا كِتَابٌ مِنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ لِأَهْلِ طَفْلِيسَ مِنْ أَرْضِ الهرمن بِالْأَمَانِ لَكُمْ،وَلِأَوْلَادِكُمْ وَلِأَهَالِيكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَصَوَامِعِكُمْ وَبِيَعِكُمْ وَدِينِكُمْ،وَصلَوَاتِكُمْ،عَلَى إِقْرَارٍ بِصَغَارٍ بِالْجِزْيَةِ۔[56]

"حبیب بن مسلمہ کی طرف سے ہرمن کی سرزمین میں بسنے والے اہل طفلس کو ان کی جانوں، اولادوں، اموال، خاندان، ان کے دین، ان کے گرجاگھروں اور دوسری عبادت گاہوں کو مکمل امان دی جاتی ہے اور اس کے بدلے میں وہ جذیہ دیں گے"۔

ان معاہدوں کے بارے میں امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:ولست أرى أن يهدم شيء مما جرى عليه الصلح ولا يحول وأن يمضي الأمر فيها عَلَى ما أمضاه أبو بكر وعمر وعثمان وعلي رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُم أجمعين،فإنهم لم يهدموا شيئا منها مما كان الصلح جرى عليه۔[57]

"میری رائے میں ذمیوں کی جو عمارتیں صلحوں کے تحت آتی ہیں ان کو منہدم نہیں کرنا چاہیے۔ان کے سلسلے میں اسی پالیسی پر عمل درآمد ہونا چاہیے جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ نے عمل کیا ہے۔انہوں نے کسی ایسی عمارت کو منہدم نہیں کرایا جو صلح کے تحت آتی تھی"۔

مزید فرماتے ہیں:

فالصلح نافذ عَلَى ما أنفذه عمر بن الخطاب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ إِلَى يوم القيامة،ورأيك بعد فِي ذلك۔[58]

"واضح رہے کہ جو صلحیں حضرت عمرؓ بن خطاب نے نافذ کی ہیں وہ انہی شرائط کے ساتھ قیامت تک نافذ رہیں گی اور اس میں آپ اپنی رائے کو دخل نہیں دے سکتے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر سے آنے والے لوگوں سے وہاں کے دیگر مذاہب کے لوگوں کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے۔ایک دفعہ عراق کے دو مشہور شہر کوفہ وبصرہ سے دس کروڑ کی خطیر رقم خراج میں موصول ہوئی تو دونوں شہروں سے دس دس آدمیوں کا وفد بلایا اور انہوں نے چار چار مرتبہ قسمیں کھا کر یہ شہادت دی:إنه من طيب،ما فيه ظلم مسلم ولا معاهد۔[59] یعنی جو کچھ وصول کیا گیا ہے وہ برضاورغبت وصول کیا گیا ہے اس میں نہ کسی مسلمان پر زیادتی ہوئی ہے اور نہ کسی ذمی(دیگر اہل مذہب)پر۔

4۔ اظہار اعتماد:

عہد فاروقی میں دیگر مذاہب کے لوگوں پر اظہار اعتماد کیا جاتا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ذمیوں (غیر مسلموں) کے متعلق انتظامات کے حوالے سے ان سے مشورہ ضرور لیتے تھے۔مصر میں جو انتظام کیا اس میں مقوقس[60] سے اکثر رائے لی۔[61]

الغرض عہد فاروقی عیسائیوں کے ساتھ سماجی تعلقات کے حوالے سے مثالی دور تھا اور عصر حاضر میں بیرونی دنیا اور خاص کر مسیحیت کے ساتھ تعلقات کے لیے یہ عہد رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔

نتائج بحث:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، خطاب کے فرزند اور نفیل کے پوتے تھے۔آٹھویں پشت میں سلسلہ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جاملتا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کی والدہ ہاشم بن مغیرہ کی دختر تھیں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں شجاع، دلیر اور حق گو تھے اور معاملہ فہمی میں معروف تھے۔

مذاہب عالم میں عیسائیت کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور موجودہ دور میں سیاسی اور معاشی طور پر سب سے زیادہ محکم مذہب نظر آتا ہے۔یہ مذہب بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔عہد فاروقی میں اس عیسائیت اپنی اصلی تعلیمات سے ہٹ چکی تھی۔مقدس انجیل کو بنی اسرائیل کے علماء نے اپنی تحریفات سے مسخ کر دیا تھا۔

1۔سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نے ہمیشہ عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک اور بہترین سماجی تعلقات قائم رکھے۔

2۔آپ رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر کو ہدایات ارشاد فرمائی تھیں کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائد نہ کریں بلکہ صرف بالغ مردوں عائد کریں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

3۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر اہل خراج کسی وقت کسی مجبوری سے لگان یا جزیہ نہ دے سکیں تو ان کو اس وقت تک مہلت دی جائے۔

4۔ عہد فاروقی میں وصولی جزیہ وخراج میں نرمی برتی جاتی تھی اور جو لوگ نادار اور اپاہج ہو جاتے ان کا جزیہ معاف ہو جاتا اور ان کو بیت المال سے وظیفہ بھی دیا جاتا۔

5۔ دور فاروقی میں عیسائیوں کے ساتھ انصاف پسندی کا یہ عالم تھا کہ اگر حکومت کو کسی دیگر اہل مذاہب کے لوگوں کی زمین کی ضرورت پڑتی تو مالک کو معاوضہ دے کر لی جاتی تھی۔

6۔ عہد فاروقی میں عیسائی اپنے بعض ہم مذہب عیسائیوں کو خوش خبری سناتے کہ ہم انصاف پسند حکومت کے زیر سایہ ہیں۔

7۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بزور شمشیر کسی کو اسلام میں داخل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ باقی مذاہب کے لوگ حسن سلوک اور عدل وانصاف سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے۔

8۔ عہد فاروقی میں عیسائیوں کے ساتھ تعلقات اس حد تک تھے کہ ان کو اپنے مقتول کا بدلہ لینے کے لیے قاتل مہیا کر دیا جاتا تا کہ وہ آسانی سے بدلہ لے سکیں۔

9۔ عیسائیوں کے ساتھ امن وصلح کے کئے ایک معاہدات کیے گئے، جیسے معاہدہ بیت المقدس، اہل قومس، اہل آذر بائجان وغیرہ سے معاہدات۔

10۔ بعض معاملات میں عیسائیوں کے اشخاص پر اظہار اعتماد بھی کیا جاتا رہا۔

حوالہ جات وحواشی

[1]۔ابن عبد البر،أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر(تحقيق:على محمد البجاوى)الاستيعاب في معرفة الأصحاب(بيروت:دار الجيل،1412ھ)ج3،ص1144

[2]۔ابن حجر عسقلانی،احمدبن علی بن محمد،الاصابة في تمييز الصحابة(بيروت:دار الكتب العلمية،س ن)ج4،ص279

[3]۔ زرکلی،خیرالدین بن محمودبن محمد۔الاعلام(دار العلم للملايين،2002ء)ج5،ص45
المزی ،ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن،تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (بیروت:مؤسسہ الرسالہ ، 1980 ء)ج21،ص 31

[4]۔روم: یہ روم بن سماحیق بن ہریئان بن علقان بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم کی طرف منسوب ہے۔ یہاں نصاریٰ آباد تھے۔ قرآن مجید کی ایک مکمل سورت اسی نام سے ہے۔ بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔(حموی، معجم البلدان، ج3، ص97)

[5]۔ایران کا پرانا نام ہے اور 1935ء تک فارس رہا ہے۔(اس کو پارس بھی کہا جاتا ہے)(شمس الدین، (ڈاکٹر) شرح جامی (لاہور: مشتاق بک کارنر، ص1116)

[6]۔ محب الطبری، الرياض النضرة في مناقب العشرة، مصدر الكتاب:موقع الوراق(http://www.alwarraq.com)ص184

[7]۔ ابو عبید،قاسم بن سلام،کتاب الاموال(تحقیق:خلیل محمد ہراس(بیروت:دار الفکر،س،ن)،ص54

[8]۔عبدالرزاق بن ہمام،مصنف عبدالرزاق۔كتاب أهل الكتابين،باب كم يؤخذ منهم في الجزية(بيروت:المكتب الاسلامى،1403ھ)رقم الحديث:19267(منفرد)

[9]۔ آپ کا پورا نام ابو المنذر ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام القرشی الاسدی ہیں۔ تابعین میں سے ہیں۔61ھ /680ء میں پیدا ہوئے۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ محدثین نے ثقہ کہا ہے۔ 146ھ /763ء میں وفات پائی۔(ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج11، ص36؛ زرکلی، الاعلام، ج8، ص117)

[10]۔ابویوسف،کتاب الخراج ،ص125

[11]۔ایضاً ،ص136

[12]۔طبری،محمدبن جریربن کثیر،تاریخ الرسل والملوک المعروف تاریخ طبری(بیروت:دار التراث،1387ھ)ج4،ص89

[13]۔بلاذری،فتوح البلدان،ص131

[14]۔موطأ الإمام مالك،كتاب الزكاة،باب عشور أهل الذمة،رقم الحديث:46

[15]۔ابو عبید،کتاب الاموال،ص54

[16]ابویوسف،کتاب الخراج،ص45

[17]۔ابو عبید،کتاب الاموال،ص55

[18]۔ایضاً،ص136

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

[19]۔ عیاض بن غنم بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن وہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک بن قریش بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، کنیت؛ ابو سعد ہے، ابو سعد فہری قریشی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ عیاض بن غنم کی وفات سنہ 20ھ میں ہوئی، بڑے ہی نیک اور سخی تھے۔ (اسد الغابہ، ج4، ص315)

[20]۔مسلم،محمدبن مسلم،صحیح مسلم(بیروت:دارالجیل، س ن) باب الوعید الشدید لمن عذب الناس بغیر حق،رقم الحدیث : 6826

ابن حبان،محمدبن حبان بن احمد، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان المعروف صحیح ابن حبان(تحقیق: شعیب الأرنؤوط)(بیروت: مؤسسة الرسالة،1414ھ) ذکر تعذیب الله جل وعلا في القیامة من عذب الناس في الدنیا،رقم الحدیث :5612

طبرانی،سلیمان بن احمد بن ایوب،المعجم الکبیرلطبرانی، تحقیق:حمدی بن عبدالمجید السلفی،(قاہرہ:مکتبۃ ابن تیمیہ،1415ھ) رقم الحدیث: 440

[21]۔بلاذری،فتوح البلدان،باب تمصیر البصرہ،ص342

[22]۔طلحہ: آپ ابو محمد طلحہ بن عبیدؓ ہیں۔ صحاح ستہ میں آپؓ سے روایات مروی ہیں۔ عشرہ مبشر میں سے ہیں۔ 36ھ/656م کو جنگ جمل کے دن وفات پائی۔ (ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج3، ص83؛ ابن عبد البر، الاستیعاب، ج1، ص231)

[23]۔ سورہ الحشر کی آیت نمبر6یعنی وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ سے لیکر آیت نمبر10 رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

[24]۔ ابو یوسف،کتاب الخراج،ص 25تا 27

[25]۔بخاری،محمدبن اسماعیل،صحیح البخاری،کتاب الوضو،باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة(بیروت:دار ابن کثیر،1407ھ)رقم الحدیث:189(منفرد)

[26]۔ احمد بن علی بن محمد کنانی، عسقلانی، ابوالفضل شہاب الدین، ابن حجر قاہرہ میں 773ھ(1372ء) کو پیدا ہوئے۔ شعروادب کے رسیا تھے۔ حدیث، رجال اور تاریخ کے بے نظیر عالم تھے۔ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ 852ھ(1449ء) کو قاہرہ ہی میں وفات پائی۔ (زرکلی، الاعلام، ج1، ص178)

[27]۔ آپ کا پورا نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی، ابو عبداللہ ہے۔ 150ھ/767ء کو غزہ فلسطین میں پیدا ہوئے۔ مذہب شافعی کے بانی اور حدیث و فقہ میں سند و دلیل و برہان میں بے نظیر اور مجدد عصر تھے۔ 204ھ/820ء کو مصر میں وفات پائی۔ (ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج1، ص361؛ زرکلی، الاعلام، ج6، ص26)

[28]۔عسقلانی،احمدبن علی بن حجر،فتح الباری فی شرح صحیح بخاری(بیروت:دارالمعرفہ،1379ھ)،ج1،ص299

[29]۔ابوداؤد،سلیمان بن الأشعث،سنن أبي داود(تحقیق:محمد محیي الدین عبد الحمید)(بیروت:دار الفکر،س ن) کتاب الأطعمة،باب أكل الجبن،رقم الحدیث: 3819؛شعب الإیمان،رقم الحدیث :5553؛ شرح السنة، رقم الحدیث :2852

[30]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 2007ء)، ص373

[31]۔ابو عبید، کتاب الاموال،ص43 ؛ ابن قیم،محمد بن أبي بکر بن أیوب،أحکام أهل الذمة،محقق:یوسف بن أحمد البکري-شاکر بن توفیق العاروري(دمام:رمادی للنشر،1418ھ)ج1،ص455

[32]۔ ابو جہل بن ہشام: ابو جہل عمرو بن ہشام بن المغیرہ المخزومی قریش کے اشراف اور اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا۔ آخر تک اپنے عناد، دشمنی اور مسلمانوں کو ایذا رسانی پر کاربند رہے۔ 2ہجری کو بدر کے معرکہ میں دو کم سن بچوں معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ (زرکلی، الاعلام، ج5، ص87)

[33]۔ امیہ بن خلف، بن وهب بن حذافہ قریش کی سرداروں میں سے تھے۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ اور بدر میں ہی حضرت بلال بن رباحؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ (ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج4، ص150)

[34]۔قرطبی،ابوعبداللہ محمدبن احمد بن ابی بکر،الجامع الاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی(محقق:احمد البردونی و ابراہیم اطفیش)(قاہرہ:دارالکتب المصریہ،1384ھ) ج3،ص280

[35]۔ شام کے اطراف میں بلقاء کے قریب ایک شہر جہاں میدان محشر قائم ہو گا۔ (سید فضل الرحمن، فرہنگ سیرت، ص44)

[36]۔ ابی عبیدہؓ آپ کا پورا نام ابو عبیدہ، عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال فہری، قرشی ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ دربار رسالت سے انہیں امین الامۃ کا لقب ملا تھا۔ 40 قبل ہجری 584ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ ان سے دس احادیث مروی ہیں۔ طاعون عمواس میں 18ھ/639 کو وفات پائی، اور موضع غوربیسان میں دفن کیے گئے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج2، ص252، الاعلام، ج3، ص252)

[37]۔ بلاذری،فتوح البلدان،ص 141

[38]۔ عمیر نام، نسیج وحدہ لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف باپ جن کا نام سعد بن عبید تھا۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki/)

[39]۔ بلاذری،فتوح البلدان،ص 157

[40]۔ بیہقی،احمدبن حسین بن علی،سنن کبریٰ،کتاب الدیات،روایات فیه عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه (بیروت:دارالکتب العلمیہ،1424ھ)رقم الحدیث:15928(منفرد)

[41]۔ابو یوسف،کتاب الخراج،ص141

[42]۔ بنو تغلب نجد کا ایک عرب قبیلہ تھا(The Encyclopedia of Islam)

[43]۔ ابو یوسف،کتاب الخراج ،ص120

[44]۔ صحیح البخاری،باب ما جاء في قبر النبي صلی الله علیه و سلم وأبي بکر وعمر رضي الله عنهما،رقم الحدیث:1328 ؛المصنف في الأحادیث والآثار(المعروف مصنف ابن ابی شیبہ) ما جاء في خلافة عمر بن الخطاب،رقم الحدیث:37059

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

[45] ۔جابیہ: یہ شمالی حوران (شام) میں مرج الصفر کے قریب جولان کے نواح میں ایک بستی ہے اسے جابیۃ الجولان بھی کہتے ہیں۔ یہاں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تھا۔(معجم البلدان،ج2،ص91)

[46] ۔طبری، تاریخ الرسل والملوک المعروف تاریخ طبری،ج3،ص609

[47] ۔ ایلیاء: بیت القدس کا پرانا نام ایلیاء تھا۔ پہلی صدی ق م جب رومیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس کو ایلیاء کا نام دیا تھا۔(حموی، معجم البلدان،ج4،ص12)

[48] ۔ ہیکل، محمد حسین، حضرت عمر فاروق اعظم،(لاہور: فکشن ہاؤس،2000ء)ص294

[49] ۔ بلاذری،فتوح البلدان،ص124

[50] ۔قومس جسے کومس کی تعریب کہا گیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا قریہ پہاڑوں اور کھیتوں کے درمیان سرسبز وشاداب علاقہ ہے۔رے اور نیشاپور کے درمیان جبال کا نچلا علاقہ ہے۔(حموی، معجم البلدان،ج4،ص414)

[51] ۔ بلاذری،فتوح البلدان ،ص310

[52] ۔ آذربائیجان (Azerbaijan)جس کو سرکاری طور پر جمہوریہ آذربائیجان کہا جاتا ہے۔یوریشیا کے جنوبی قفقاز کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ آبادی رکھنے والا ملک ہے۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki/

[53] ۔ بلاذری،فتوح البلدان ،ص317

[54] ۔ تاریخی اعتبار سے "لُد" ایک قدیم شہر ہے۔ یہاں پر 5250 سال قبل مسیح پرانے ظروف بھی پائے گئے ہیں، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں بھی یہاں آبادی موجود تھی۔ تاہم تاریخ میں اس کا سب سے پہلا ذکر 1500 قبل مسیح کی مصری تاریخ میں کیا گیا۔ تاریخ کے سفر کے دوران اس شہر پر کئی اقوام کا قبضہ رہا اور فاتحین نے اس کو کئی نام دیے۔ مختلف ادوار میں یہ یہودیوں، مسیحیوں اور مسلمانوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ 636ء میں حضرت خالد بن ولید نے جب فلسطین پر قبضہ کیا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور اس کا نام لد رکھا گیا۔(https://ur.wikipedia.org/wiki/)

[55] ۔مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة،ص494

[56] ۔ابو عبید،کتاب الاموال،ص268

[57] ۔ابو عبید،کتاب الاموال ،ص147

[58] ۔ایضاً

[59] ۔ابو یوسف،کتاب الخراج،ص114

[60] ۔مقوقس(شاہ مصر) رومی سلطنت کا باجگزار تھا اور اس کا دار الحکومت اسکندریہ ہی تھا۔(حموی، معجم البلدان،ج1،ص120)

[61] ۔ نعمانی، شبلی نعمانی، الفاروق(پشاور: مکتبہ عمر فاروق،2016ء)ص262